اسلامی ریسرچ و تحقیق یا باطنیت کا فتنہ

از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ

اسلام کو ماڈرن بنانے اور اسے زمانہ اور انسانی خواہشات کے ساتھ چلانے کیلئے اس میں تحریف و ترمیم کرنے والوں کی ایک خاص تکنیک یہ بھی ہے۔ کہ قرآن و سنت کے الفاظ و اصطلاحات کے جو معانی اور مفہوم خود شارع نے متعین کئے ہیں۔ اور جن کے حقائق عصراً بعد عصر ملت مسلمہ میں تواتر اور تسلسل سے چلے آرہے ہیں۔ ان قطعی اور ابدی معانی کا اپنے الفاظ و اصطلاحات سے تعلق اور رشتہ کاٹ دیا جائے اور پھر نبوت و رسالت سنت و اجتہاد۔ اجماع و قیاس۔ صلوٰۃ و زکوٰۃ وغیرہ شرعی اصطلاحات کی جو من مانی تشریح دل میں آئے وہ اختیار کی جائے اور ان میں اتنی توسیع (EXTENTION) کر دی جائے کہ یورپ کے دجالی تہذیب و تمدن کے تمام مسائل و مفاسد۔ سودی، بنکاری، قمار بازی، رقص و سرور، ثقافت و کلچر، زناکاری، شراب نوشی، بے پردگی اور مخلوط تعلیم۔ مساوات مرد و زن وغیرہ پر اسلام کا ٹھپہ لگایا جا سکے۔ اسلام کے فکری و عملی نظام کو تہ و بالا کرنے کے لئے عصر حاضر کے نام نہاد مجددین اور محققین یہی حربہ آزما رہے ہیں۔ اب تک جو نمونے اس تلبیس و تحریف کے سامنے آچکے ہیں۔ ان میں سے چند ملاحظہ ہوں :-

۱— قرآن کی صرف علل و غایات ابدی ہیں۔ احکام میں بدلتے ہوئے حالات کے تحت تصرف کیا جا سکتا ہے۔

۲— سنت کا معنی کسی بھی فرد یا جماعت کی شخصی رائے ہے۔ اور اس کا قبول عام حاصل کرنا اجماع ہے۔

۳— زکوٰۃ سے مراد اسلامی حکومت کی ٹیکس ہے۔ اور حکومت زکوٰۃ کے منصوص مقادیر

اور مصارف میں رد و بدل کر سکتی ہے۔
۴۔۔۔۔ قرآنی ربوٰا موجودہ تجارتی سود اور منافع کو شامل نہیں۔
۵۔۔۔۔ خمر کا لفظ شراب کی موجودہ کئی قسموں کو شامل نہیں۔ (ملاحظہ ہو ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے مختلف رسائل فکر و نظر وغیرہ)

انہی حضرات کے "یارانِ تیزگام" منکرین حدیث اور ان کے سرخیل مسٹر پرویز تو اس قرآنی تحریف و تلبیس کو پہلے سے امت مسلمہ کا نسخۂ شفاء قرار دے چکے ہیں۔ مسٹر پرویز لکھتے ہیں :۔۔۔

"ہمارے ہاں قرآن کے الفاظ کا جو مفہوم مروّج ہے وہ بیشتر غیر قرآنی ہے (قرآنی فیصلے ص۲۶۰)

مزید ارشاد ہے کہ :۔۔۔

قرآن کے یہ متعین معانی و مفاہیم چند تصورات اور رسومات کی لاشیں ہیں جنہیں مسلمانوں نے سینے سے لگا رکھا ہے۔ (اسباب زوال امت ص۵۴)

مسلمانوں کو ان لاشوں سے الگ کرنے کا علاج اس امام الضالین کے نزدیک یہ ہے کہ قرآن کے تمام مصطلح الفاظ کی ایک نئی لغت مرتب کی جائے جس کی خصوصیت یہ ہو کہ :

"قرآن کا جو مفہوم اس لغت کی روشنی میں متعین کیا جائے گا وہ ہر آنے والے زمانہ کی علمی سطح کے ساتھ ساتھ IMPROVE ہوتا (بدلتا یا بڑھتا) جائے گا۔ (قرآنی فیصلے ص۲۹۶)

ان کی بدقسمتی کہ اس سائنٹفک ریسرچ کا سہرا بھی ان کے سر نہیں بلکہ یہ لوگ تحقیقات میں اپنے ان اساتذہ یہودی مستشرقین شاخت وغیرہ کے دریوزہ گر ہیں۔ جن کی اسلام دشمنی کو قرآن کریم بارہا صریح الفاظ میں واضح کر چکا ہے۔ اور دجل و تلبیس جن کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا ہے ومن الذین هادوا یحرفون الکلم عن مواضعه ۔ متجددین اور مستشرقین کا یہی فتنہ تیسری صدی ہجری میں باطنیت کے روپ میں ظاہر ہوا جس نے دین و شریعت کی تمام اصطلاحات کے نئے معانی اور مفہوم متعین کئے۔ دین کے بنیادی اصولوں تک کو بدل ڈالا۔ اس فرقہ کو مصر میں صدیوں تک عبیدی سلطنت (فاطمیین ۲۹۶ھ تا ۵۶۷ھ) کی شکل میں اقتدار و عروج حاصل رہا۔ اور اقتدار کے سایہ میں مسلسل اسلامی عقائد و اعمال شریعت و سنت سے تمسخر و تلاعب ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ قانون میراث میں ترمیم کی گئی۔ تراویح اور صلوٰۃ الضحیٰ (چاشت) پڑھنے پر لوگوں کو تعزیر دی جانے لگی۔ اسی سلطنت کے ایک

فرمانروا الظاہر الدین اللہ نے شراب کی عام اجازت دی، اہل حق مقہور و مظلوم اور اہل ھوی غالب و حاوی رہے۔ یہاں تک کہ حفاظت دین کے لئے سنت خداوندی کا ظہور سلطان صلاح الدین ایوبی علیہ الرحمۃ کی شکل میں ہوا جنہوں نے اس فتنہ کی سرکوبی کی (ملاحظہ ہو کتاب الخطط والآثار للمقریزیؒ اور الصواعق المرسلۃ لابن قیمؒ)

یہ امر تعجب سے خالی نہ ہوگا کہ اس فرقہ میں بھی یہودیت کی روح کارفرما تھی۔ کیونکہ محققین انساب کے نزدیک بالاتفاق ان لوگوں کا مورث اعلیٰ۔ عبید، مجوسی یا یہودی تھا۔

ذیل میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی کتاب "تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اول" کا ایک حصہ پیش کرتے ہیں جس سے فرقۂ باطنیہ اور ان کے "اجتہادات و تحقیقات" پر روشنی پڑتی ہے۔ اور موجودہ دور کی باطنیت کا ان سے موازنہ کیا جا سکتا ہے۔ (سمیع)

فلسفہ کے ساتھ ساتھ اور اس کے اثر سے ایک نیا فتنہ پیدا ہوا جو اسلام کے حق میں اور نبوت کی تعلیمات کے لئے فلسفہ سے بھی زیادہ خطرناک تھا، یہ باطنیت کا فتنہ ہے۔ اس کے بانی اور داعی اکثر ان قوموں کے افراد تھے جو اسلام کے مقابلہ میں اپنی سلطنتیں اور اقتدار کھو چکے تھے اور ظاہری مقابلہ اور جنگ سے ان کی بازیافت کی کوئی امید نہ تھی، یا شہوت پرست اور لذت پسند لوگ تھے۔ اور اسلام ان کی زندگی پر حدود و قیود عائد کرتا تھا، یا شخصی اقتدار اور سرداری کے حریص تھے۔ ان تمام مختلف مقاصد کے لوگ باطنیت کے نشان کے نیچے جمع ہو گئے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ وہ اسلام کو جنگی طاقت سے شکست نہیں دے سکتے، نہ مسلمانوں کو کفر و الحاد کی کھلی ہوئی دعوت دے سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اس سے ان کے مذہبی احساسات بیدار ہو جائیں گے۔ اور مقابلہ کی قوت ابھر آئے گی۔ انہوں نے اس کے لئے ایک نیا راستہ اختیار کیا۔

ظاہر و باطن کا مغالطہ

انہوں نے دیکھا کہ شریعت کے اصول و عقائد اور احکام و مسائل کو الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور انسانوں کے سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے ایسا ضروری تھا۔

وما ارسلنا من رسول الا بلسان   اور ہم نے کوئی پیغمبر دنیا میں نہیں بھیجا۔ مگر

قومہ لیبین لھم — اپنی قوم ہی کی زبان میں تاکہ لوگوں پر مطلب واضح کر دے، (ابراہیم ۴)

ان الفاظ کے معنی و مفہوم متعین ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان سے ان کی تشریح اور اپنے عمل سے ان کی تعیین کر دی ہے، یہ معنی و مفہوم امت میں عملی و لفظی طور پر تواتر و تسلسل سے چلے آرہے ہیں۔ اور ساری امت اُن کو جانتی اور مانتی ہے۔ نبوت و رسالت ملائکہ، معاد، جنت، دوزخ، شریعت، فرض و واجب، حلال و حرام، صلوٰۃ و زکوٰۃ، روزہ حج، یہ سب وہ الفاظ ہیں جو خاص دینی حقائق کو بیان کرتے ہیں۔ اور جس طرح یہ دینی حقائق محفوظ چلے آرہے ہیں اسی طرح ان دینی حقائق کو ادا کرنے والے یہ الفاظ بھی محفوظ چلے آرہے ہیں۔ اور اب دونوں لازم و ملزوم بن گئے ہیں۔

جب نبوت و رسالت، یا نبی یا صلاۃ یا زکوٰۃ کا لفظ بولا جائے گا، تو اس سے اس کی وہی حقیقت سمجھ میں آئے گی، اور وہی عملی شکل سامنے آئے گی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی اور صحابہ کرام نے اس کو سمجھا، اس پر عمل کیا اور اس کو دوسروں تک پہنچایا۔ اور اسی طرح نسلاً بعد نسلٍ وہ چیز امت تک منتقل ہوتی رہی، انہوں نے اپنی ذہانت سے اس نکتہ کو سمجھا کہ الفاظ و معانی کا یہ رشتہ امت کی پوری زندگی اور اسلام کے فکری و عملی نظام کی بنیاد ہے اور اسی سے اس کی وحدت اور اپنے سرچشمہ اور اپنے ماضی سے اس کا ربط قائم ہے۔ اگر یہ رشتہ ٹوٹ جائے اور دینی الفاظ و اصطلاحات کے مفہوم و معانی متعین نہ رہیں یا مشکوک ہو جائیں تو یہ امت ہر دعوت اور ہر فلسفہ کا شکار ہو سکتی ہے۔ اور اس کے سنگین قلعہ میں سینکڑوں چور دروازے اور اس کی مضبوط دیواروں میں ہزاروں شگاف پیدا ہو سکتے ہیں ——

اس نکتہ کو پا جانے کے بعد انہوں نے اپنا سارا زور اس تبلیغ پر صرف کیا، کہ ہر لفظ کے ایک ظاہری معنی ہوتے ہیں اور ایک حقیقی اور باطنی، اسی طرح قرآن و حدیث کے کچھ ظواہر ہیں اور کچھ حقائق، ان حقائق سے ان ظواہر کو وہی نسبت ہے، جو گودے اور مغز سے چھلکے اور پوست کو ہے۔ جہلاء صرف ان ظواہر کو جانتے ہیں۔ اور ان کے ہاتھ میں پوست ہی پوست ہے۔ عقلاء حقائق کے عالم ہیں۔ اور اُن کے حصہ میں مغز آیا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ الفاظ دراصل حقائق کے رموز و اشارات ہیں۔ ان سے وہ مراد

نہیں جو عوام سمجھتے اور عمل کرتے ہیں۔ ان سے مُراد کچھ اور چیزیں ہیں۔ جن کا علم صرف اہلِ اسرار کو ہے۔ اور انہیں سے دوسروں کو حاصل ہو سکتا ہے۔ جو ان حقائق تک نہیں پہنچا اور ظواہر میں گرفتار ہے۔ وہ ظاہری بیڑیوں اور شریعت کی پابندیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ اور نہایت نیچی سطح پر ہے۔ جو حقائق و رموز کی بلند سطح تک پہنچ جاتا ہے اس کی گردن سے یہ طوق و سلاسل اتر جاتے ہیں اور وہ شریعت کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے[1]۔ یہی اس آیت کا مفہوم ہے :

ویضع عنهم اصرهم والاغلال	(پیغمبر) اس بوجھ سے نجات دلائے گا،
التی کانت علیهم۔	جس کے تلے دبے ہوتے ہیں۔ ان پھندوں
(الاعراف ع ۱۹)	سے نکالے گا جن میں گرفتار ہیں۔

جب یہ اصول تسلیم کر لیا گیا اور حقائق و ظواہر کے اس فلسفہ کو قبول کر لیا گیا تو انہوں نے نبی، وحی، نبوت، ملائکہ، آخرت اور اصطلاحاتِ شرعیہ کی ماٰنی تشریح کرنی شروع کر دی جس کے بعض نادر نمونے یہ ہیں :—

نبی اس ذات کا نام ہے جس پر قوت قدسیہ صافیہ کا فیضان ہو۔ جبریل کسی ہستی کا نام نہیں صرف فیضان کا نام ہے۔ معاد سے مراد ہر چیز کا اپنی حقیقت کی طرف واپس آنا ہے، جنابت سے مراد افشائے راز ہے، غسل سے مراد تجدید عہد، زنا سے مراد علم باطن کے نطفہ کو کسی ایسی ہستی کی طرف منتقل کرنا جو عہد میں شریک نہ ہو۔ طہارت سے مراد مذہب باطنیہ کے علاوہ ہر مذہب سے برأت۔ تیمم سے مراد ماذون (اجازت یافتہ) سے علم کا حصول۔ صلوٰۃ سے مراد امام وقت کی طرف دعوت۔ زکوٰۃ سے مراد اہل استعداد و صفا میں اشاعتِ علم۔

---

[1] تعطیلِ شریعت کا مستقل عقیدہ بھی پایا جاتا تھا، ایک باطنی امام و داعی "سیدنا" ادریس لکھتے ہیں :-

بعث الله محمد بن اسمٰعیل وهو نبی ناطق نسخ شریعة محمد صلی الله علیه وسلم۔ (محمد بن اسمٰعیل کو اللہ تعالیٰ نے نبی ناطق کی حیثیت سے مبعوث فرمایا۔ اور انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کر دیا۔ (عاصمة نفوس المهتدین وقاصمة ظهور المعتدین لسیدنا ادریس)

معز الدین اللہ فاطمی سے بھی ایسے ہی اقوال منقول ہیں۔

صیام (روزہ) سے مراد افشائے راز سے پرہیز و احتیاط، حج سے مراد اس علم کی طلب جو عقل کا قبلہ اور منزل مقصود ہے۔ جنت علم باطن، جہنم علم ظاہر۔ کعبہ خود نبی کی ذات ہے باب کعبہ سے مراد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات۔ قرآن مجید میں طوفان نوح سے مراد علم کا طوفان ہے جس میں اہل شہادت غرق کر دئے گئے۔ آتش نمرود سے مراد نمرود کا غصہ ہے۔ نہ کہ حقیقی آگ۔ ذبح سے مراد جس کا ابراہیم کو حکم دیا گیا تھا۔ بیٹے سے عہد لینا۔ یاجوج ماجوج سے مراد اہل ظاہر ہیں۔ عصائے موسیٰ سے مراد ان کی دلیل اور حجت ہے[1]۔ وغیرہ وغیرہ

نبوت محمدی کے خلاف بغاوت

الفاظ شرعی کے متواتر و متوارث معنی و مفہوم کا انکار اور قرآن و حدیث کے ظاہر و باطن اور مغز و پوست کی تقسیم ایسا کامیاب حربہ تھا جس سے اسلام کے نظام اعتقاد و نظام فکر کے خلاف سازش کرنے والوں نے ہر زمانہ میں کام لیا۔ اسلام کی پوری عمارت کو اس طرح آسانی ڈائنامیٹ کیا جا سکتا تھا۔ اور اسلام کے ظاہری خول کے اندر ریاست اندرون ریاست قائم کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعد کی صدیوں میں جن فرقوں نے اور منافقین کی جس جماعت نے نبوت محمدی کے خلاف بغاوت کرنی چاہی اس نے باطنیت کے اسی حربہ سے کام لیا۔ اور اس معنوی تواتر و توارث کا انکار کر کے پورے نظام اسلامی کو مشکوک و مجروح بنا دیا۔ اور اپنے لئے دینی سیادت بلکہ نئی نبوت کا دروازہ کھول لیا۔ ایران کی بہائیت اور ہندوستان کی قادیانیت اس کی بہترین مثالیں ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان نکتہ آفرینیوں کو (جن کی چند مثالیں اوپر پیش کی گئی ہیں) کوئی سلیم الطبع آدمی قبول نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن علم کلام کی معرکہ آرائیوں نے عالم اسلام میں ایسا ذہنی انتشار پیدا کر دیا تھا۔ اور فلسفہ کے اثر سے لوگوں میں پیچیدہ اور غامض مضامین کا (خواہ اس کے اندر کوئی مغز نہ ہو) ایسا مذاق پیدا ہو گیا تھا کہ ایک طبقہ پر باطنیوں کا جادو چل گیا، جنہوں نے قدیم علم ہیئت، علم طبعیات، اور یونانی الہیات کے مسائل اور یونانی اصطلاحات عقل اول وغیرہ کو آزادی سے استعمال کیا تھا اور مختلف اثرات اور مختلف اغراض سے لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے، کچھ جذبۂ انتقام میں، کچھ اسرار و رموز کے شوق میں، کچھ غلط قسم کی ظاہریت

---

[1] قواعد عقائد آل محمد (باطنیہ) تالیف محمد بن حسن الدیلمی یمانی زمانۂ تالیف سنہ ۷۰۷ھ ص ۱۷، ۱۸

اور تقشف کے ردِ عمل میں، کچھ بوالہوسی اور نفس پرستی کی آزادی کے لالچ میں، کچھ اہل بیت کے نام سے اس طرح باطنیوں نے ایسی خفیہ تنظیم قائم کرلی، جس سے طاقتور اسلامی حکومتیں عرصہ تک پریشان رہیں، عالم اسلام کی بعض لائق ترین اور مفید ترین ہستیاں (نظام الملک طوسی و فخر الملک وغیرہ) اُن کا شکار ہوئیں[1]، عرصہ تک بڑے عالم اور مسلمان بادشاہ یا وزیر کو اس کا اطمینان نہیں تھا کہ صبح وہ صحیح و سلامت اُٹھے گا۔ ابن جوزیؒ نے لکھا ہے۔ کہ اصفہان میں اگر کوئی شخص عصر تک اپنے گھر واپس نہ آجاتا تو سمجھ لیا جاتا کہ وہ کسی باطنی کا شکار ہوگیا۔ اس بدامنی کے علاوہ انہوں نے ذہن و ادب اور علم کو بھی متاثر کرنا شروع کیا۔ اور دین کے اصول و نصوص اور قطعیات کی تاویل و تحریف اور عام الحاد کا دروازہ کھل گیا ؛

بقیہ : نگاہِ مومن میں جہاد اور شہادت کا مقام

ڈاکٹر شفقت کے جذبۂ جہاد کے ماتحت عضو فاسد کو کاٹ دیتا ہے۔ تاکہ باقی بدن محفوظ رہے۔ اسی طرح مسلمان اللہ کی مخلوق کو جہنم سے بچا کر جنت اور ابدی کامیابی کی طرف بلانا چاہتے ہیں۔ اور دنیا کو شر و فساد، ظلم و ناانصافی سے پاک کرنا چاہتے ہیں۔ اور جو کافر اس راہ میں رکاوٹ بنتا ہے اسے ہٹانا جہاد ہے تاکہ اللہ کی دی ہوئی نعمت اسلام اور قانون میں اوروں کو بھی شریک کیا جائے۔ جس نے یہ نعمت قبول کی اس کے حقوق ہمارے برابر ہو جائیں گے۔ ان کی جان و مال، عزت و آبرو محفوظ رہے گی۔ آخر جب کوئی ہلاکت کے گھڑے میں گرتا ہے اسے بچانا فرض ہے۔ یہی ہے جہاد کہ اللہ کا پیغام پہنچ جائے اور حق کی فتح ہو اور لوگ جہنم سے محفوظ رہ کر خدا کی رحمت یعنی دین اسلام سے مستفید ہوں۔۔۔۔۔۔

---

[1] باطنیوں کے ہاتھ سے شہید ہونے والوں کی مفصل فہرست کے لئے ملاحظہ ہو نظام الملک طوسی ص ۵۶۰، ۵۶۳